کلیم اختر

کشمیر میں قرآن مجید کا قدیم نسخہ

مقبوضہ ریاست جموں وکشمیر کلچرل اکادمی کے سیکرٹری جناب محمد یوسف ٹینگ مبارک باد کے مستحق ہیں جن کی تحقیقی کاوشوں سے وادیٔ کشمیر میں قرآن حکیم کا ایک ایسا قلمی نسخہ دریافت ہوا ہے جو ۷۲۵ ہجری مطابق ۱۳۲۳ء میں لکھا گیا۔ قرآن حکیم کے اس کشمیری خطاط کا نام فتح اللہ کشمیری ہے۔ ریاست کشمیر میں یہ غیر مسلموں کا دورِ حکومت تھا۔ اس ضمن میں اپنے ایک حالیہ خط میں محمد یوسف ٹینگ لکھتے ہیں۔

"یہ وہ زمانہ ہے جس کے ۸۳ سال بعد کشمیر میں رنچن شاہ نے اسلام قبول کر کے سلطان صدرالدین کے نام سے اسلامی حکومت کا آغاز کیا۔ یہ نسخہ ایک ایسے خط میں لکھا گیا ہے جو خط کوفی اور خطِ ثلث کی درمیانی شکل ہے اور جس میں فارسی ترجمہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس نسخے کی دریافت سے یہ بات صاف ہوگئی ہے کہ کشمیر میں مسلمانوں کے سیاسی اقتدار سنبھالنے سے بہت پہلے اسلام کا اثر و نفوذ شروع ہوگیا تھا اور انھوں نے ہندوؤں کے دور میں ہی قرآن پاک کو لکھنے اور اس کو فارسی میں ترجمہ کرنے کی قدرت پیدا کر لی تھی۔ اس نسخے کی قدامت کا اندازہ کرنے کے لیے صرف یہ اشارہ کافی ہے کہ اس کی تحریر کے وقت کشمیر میں بانی مسلمانی حضرت میر سید علی ہمدانیؒ شاہ ہمدان کی عمر بارہ سال کی تھی اور کلہن کی "راج ترنگنی" کو لکھے صرف ۸۸ برس گزرے تھے۔ اس نسخے کی دریافت سے کشمیر میں اسلام کی آمد اور پھیلاؤ سے متعلق ایک نیا افق پیدا ہوگیا ہے۔ یہ نسخہ اب اکادمی کے گنج نوادرات میں شامل کیا گیا ہے۔"

مقبوضہ کشمیر میں دریافت ہونے والا یہ نسخہ قدیم کاغذ پر لکھا گیا ہے۔ یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ممتاز مؤرخ پنڈت کلہن اپنی مشہور زمانہ تاریخ "راج ترنگنی" میں لکھتا ہے کہ راجہ ہرش دیو یعنی ۱۰۹۰ کے وقت کشمیر میں ترک (مسلمان) آباد ہوگئے تھے جو فوج اور دوسرے شعبوں پہ چھا گئے تھے۔ محمد یوسف ٹینگ لکھتے ہیں کہ دریافت شدہ قرآن شریف کا نسخہ راجہ سنگرام دیو کے عہد میں لکھا گیا، جب کہ کشمیر میں اسلام کی رسمی تاریخ ۱۳۲۰ء تسلیم کی جاتی ہے۔

ریاست کشمیر میں جہاں تک ترکوں کی آمد کا تعلق ہے مؤرخ کشمیر مولانا محمد الدین فوقؔ "تاریخ کشمیر" میں لکھتے ہیں کہ راجہ نر اندار کے تارک السلطنت ہو کر حضرت سلیمان کے ہمراہ جانے پر ۱۲۸۲ ق-م میں ہشک، کنشک اور زشک تین ترکی شاہزادے جو ترکستان سے حضرت سلیمان کے ہمراہ آئے تھے ان کے حکم سے حکومت کشمیر پر مامور ہوئے۔ تینوں باتفاق حکمرانی کرنے لگے۔ اگرچہ یہ لوگ غیر ملک اور غیر قوم کے تھے لیکن اپنی خوش انتظامی اور ہر دلعزیزی سے اُنھوں نے تمام لوگوں کو خوش رکھا۔ ہر وقت رعایا کی آسائش و بہبودی میں سرگرم رہ کر پرانے حکمرانوں کے احسان لوگوں کے دلوں سے محو کر دیے۔ یہ تینوں اپنے اپنے نام پر قصبہ اور قریہ آباد کر کے اپنی چند روزہ حکومت کی پائیدار مثال چھوڑ گئے۔ ہشک نے پرگنہ کرہن میں قصبہ ہشکر جسے اب اشکورہ کہتے ہیں، آباد کیا۔ کنشک نے پرگنہ دیلو میں کانسپور اور زشک نے پرگنہ بھاگ میں زشکپور جو اب ڈوکرو کہلاتا ہے آباد کیے۔ علاوہ اس کے زشک نے موضع ڈوکرو کی سیرابی کے لیے نالہ سندھ سے ایک نہر نکال کر جاری کی۔ جی سوائی پور جس کو اب ذہاب پور کہتے ہیں اسی شاہزادے کی یادگار ہے۔ ظاہر ہے ان کی نسل ان علاقوں میں آباد رہی۔[1]

پنڈت کلہن اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ راجہ ہرش دیوؔ کے عہد حکومت (۱۱۰۳ء سے ۱۱۱۴ء تک) میں ترک مسلمان کشمیر میں آباد ہو گئے تھے۔ اس راجے کے بارے میں تواریخ میں مذکور ہے کہ۔ "کشمیر میں اُس وقت ظُلم و ستم اور لوٹ مار کی کوئی حد نہ تھی۔ راجہ جو مذہب سے ہندو تھا اپنے مذہبی مقامات اور عبادت گاہوں کی بے حرمتی و تذلیل سے بھی نہ ڈرتا تھا۔ عیاشی پر آتا تھا تو اپنی سگی بہن سے بھی نہ چوکتا تھا، چنانچہ مصنف "گلدستۂ کشمیر" جو مذہباً ہندو ہیں لکھتے ہیں کہ "بدکاری و زناکاری میں اس قدر اس کو کمال تھا کہ ہمشیرہ تک سے پرہیز کرنا اس کو محال تھا"۔[2]

اس ضمن میں مولانا محمد الدین فوق لکھتے ہیں کہ یہ سب حالات کلہن پنڈت نے اپنی "راج ترنگنی" میں لکھے ہیں اور اس کے بعد ہر مؤرخ قریباً اُسی خرمن کا خوشہ چیں ہے، ممکن ہے ان میں مبالغہ ہو لیکن اصلیت ضرور ہے اور وہ نہایت افسوس ناک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کسی قوم یا ملک کی تباہی کے دن قریب

---

[1] تاریخ کشمیر صفحہ ۱۱۰

[2] تاریخ کشمیر

آستے ہیں تو اس میں ایسے آثار شروع ہو جاتے ہیں، چنانچہ ہرش دیو سے دو سال بعد ہی کشمیر کا تختہ بالکل اُلٹ گیا، نہ صرف حکومت ہی بدل گئی بلکہ حکومت کا مذہب بھی۔ یعنی حکومت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آگئی اور رعایا کا بہت بڑا حصہ بھی مسلمان ہو گیا ۔"

اُس وقت برصغیر میں ہندوؤں کی حکومت تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب راجہ بلدیو چوہان نے راجہ پرتھی سال والیٔ دہلی پر فتح پائی تھی اور اس کی نسل سے ساتویں پشت میں رائے پتھورا سلطان شہاب الدین غوری سے لڑا اور میدان جنگ میں مارا گیا۔ اس وقت حالت ایسی تھی کہ یہاں کوئی اور حکومت اپنا سکہ جمائے، چنانچہ ۱۲۹۱ء میں ہندوستان میں اسلامی حکومت کا آغاز ہوا۔ یہاں بتانا یہ مقصود ہے کہ ہندوؤں کے عہدِ حکومت میں ہی کشمیر میں مسلمان آباد ہو گئے تھے۔ اور یہ درست ہے کہ محمد بن قاسم کے دو ساتھی جہیم بن سامہ اور سلیط بن عبداللہ الثقفی کشمیر آن بسے تھے اور جہیم بن سامہ نے کشمیر میں مسجد تعمیر کی تھی۔ تواریخ میں یہ بھی مذکور ہے کہ جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جن بادشاہوں کو دعوت اسلام کے لیے خطوط لکھے تھے اُن میں کشمیر کا راجہ بھی شامل تھا۔

بہرحال قرآن حکیم کا جو قدیم نسخہ کشمیر میں دریافت ہوا ہے اس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ راجہ سنگرام دیو کے عہدِ حکومت میں لکھا گیا۔ اس راجے کا عہدِ حکومت ۱۶ سال ۱۰ دن ہے۔ یعنی ۱۲۴۲ء سے ۱۲۵۸ء تک ہے۔ محمد یوسف ٹینگ لکھتے ہیں کہ یہ نسخہ ۱۲۲۷ء میں لکھا گیا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ نسخہ راجہ سنگرام دیو کے زمانے میں نہیں بلکہ راجہ راج دیو کے عہد میں لکھا گیا جس کا زمانۂ اقتدار ۲۳ سال ۳ ماہ ۲۷ دن ہے۔ یعنی ۱۲۱۸ء سے ۱۲۴۲ء تک۔ راجہ راج دیو کے عہد میں کشمیر فتنہ انگیزیوں کی آماجگاہ بنا رہا۔ خاص طور پر فرقہ بٹ نے بغاوت کی اور مشکلات کا شکار ہوئے۔ اس راجہ کے عہد میں جملا چارج نامی ایک فاضلِ اجل گزرا ہے جس نے "ارماس بچار" تصنیف کی جس کے صلے میں راجہ نے اسے ایک جاگیر بخش دی تھی۔

جہاں تک راجہ سنگرام دیو کا تعلق ہے۔ تاریخ کشمیر میں مذکور ہے کہ اس کے عہدِ حکومت میں شاعروں اور عالموں فاضلوں کی قدر دانی بدرجہ غایت رہی، جس سے کچھ عرصے کے لیے جاہل رعایائے کشمیر بھی علم و ہنر کی قدر کرنے لگ گئی۔"[۵۳]

---

۵۳ تاریخ کشمیر ص ۳۱۸

یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ کشمیر میں اسلام رینچن شاہ کے عہد میں آیا یعنی جب رینچن شاہ بدھ مت کو ترک کر کے مسلمان ہوا۔ ہم رینچن شاہ کو ریاست جموں وکشمیر کا اولین مسلمان حکمراں تو کہہ سکتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ کشمیر میں مسلمان اس سے پیشتر ہی آباد ہو چکے تھے۔ جب سلطان محمود غزنوی کشمیر پر حملہ آور ہوا تو اس وقت بھی دین مبین کے ماننے والے ریاست میں موجود تھے، جیسا کہ البیرونی نے اپنی "کتاب الہند" میں لکھا ہے۔ اُس نے یہ بیان کیا ہے کہ کشمیر کا مشرقی علاقہ تبتی ترکوں کے ہاتھ میں ہے جس سے مراد صاف طور پر لداخ اور نواحی علاقوں کے تبتی ہیں۔ پھر قصبہ راجوری کا ذکر کیا ہے اور صاف طور پر تحریر کیا ہے کہ " یہ بعید ترین مقام ہے، جہاں میرے وقت میں مسلمان تاجر بیوپار کیا کرتے تھے اور جس سے پرے جانے کا اُنھیں کبھی اتفاق نہ ہوا تھا "

بہرحال کتب تاریخ میں یہ بھی مذکور ہے کہ برصغیر پر محمد بن قاسم کے حملۂ سندھ سے بہت پہلے کشمیر میں اسلامی عقاید و اثرات پہنچ چکے تھے، اور یہ وہ عرب تاجر تھے جو چین میں بغرض تجارت اس راستے سے جاتے تھے اور اسلامی عقاید کی تبلیغ بھی کرتے تھے۔

جہاں تک امیر کبیر سید علی ہمدانی رح شاہ ہمدان کا تعلق ہے۔ آپ ۱۲ رجب ۷۱۴ھ مطابق ۱۳۱۴ء کو ہمدان میں پیدا ہوئے اور خطۂ کشمیر میں پہلی بار ۷۷۴ھ مطابق ۱۳۷۴ء میں آئے۔ آپ نے تین بار کشمیر کا سفر کیا۔ ایک روایت کے مطابق آپ سات سو افراد (سادات) کے ہمراہ تشریف لائے تھے۔ اُن دنوں کشمیر میں سلطان قطب الدین کی حکومت تھی۔ کشمیر میں خانقاہ معلّیٰ ان کی یادگار ہے جس پر یہ رباعی کندہ ہے ؎

حضرت شاہ ہمدان رح کریم
آئینہ رحمت ز کلام قدیم
گفت دم آخر تاریخ شد
بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

حقیقت یہ ہے کہ کشمیر میں اسلام کی روشنی ابتدائی ایام میں ہی پہنچنا شروع ہو گئی تھی، اور اس بات پر مؤرخین متفق ہیں کہ سندھ کے راجہ داہر کے بیٹے جے چند کے ہمراہ مسلمان کشمیر میں آئے تھے۔ اس سے قبل ۷۱۲ء میں راجہ ایم گاندھر کے عہد میں بھی مسلمان کشمیر میں آئے اور پھر راجہ ہرش دیو کے عہد

حکومت میں کچھ مسلمان کشمیری فوج میں ملازم ہوئے، اور یوں اہل کشمیر دین اسلام سے متعارف ہوتے رہے۔ اب فتح اللہ کشمیری کا نسخۂ کتابت اس لگن اور اخلاص کا زندہ ثبوت ہے جس نے نہ صرف قرآن حکیم کی خوب صورت کتابت کی بلکہ اس کا فارسی زبان میں ترجمہ بھی کر دیا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فارسی زبان کا ترجمہ ان مسلمانوں کے لیے تھا جو فارسی زبان سے بھی آشنا تھے۔ سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کشمیری خطاط اور مترجم نے اپنے نام فتح اللہ کے ساتھ لفظ کشمیری لکھا ہے۔ یعنی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کوئی ترک مسلمان تھا جو کشمیر میں آباد ہو چکے تھے، بلکہ ایک کشمیری مسلمان تھا جو نہ صرف حلقہ بگوش اسلام ہوا بلکہ اس نے عشق الٰہی میں ڈوب کر اس زمانے میں قرآنِ حکیم کی تبلیغ و اشاعت کا فریضہ بھی ادا کیا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را